تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ — لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۱۰ر جنوری ۱۹۸۲ء — ۱۳ر ربیع الاول ۱۴۰۲ھ | شمارہ نمبر ۵

زرِ تعاون

اندرون ملک ——— بیس روپے
فی پرچہ ——— ایک روپیہ
بیرون ملک۔ بری ڈاک ۔ جہازی ڈاک
ایشیائی ممالک ——— ۷ پونڈ
افریقی ممالک ——— ۸ پونڈ
یورپ امریکہ ——— ۱۰ پونڈ

اداریہ

محمد رابع ندوی

ہجرت سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

ہماری زندگی میں سب سے زیادہ عزیز اور پسندیدہ چیز جاہ و مال ہوتی ہے، جاہ تو یہ ہے کہ ہمنشینوں میں عزت رہے، نام رہے، پھر یہ عزت مزید بڑھے اور بڑھتی رہے نام بڑھے اور مشہور ہوتا چلا جائے، ہمارے نفس کی اکثر تگ و دو اسی میں محدود ہوکر رہ جاتی ہے اور بڑے بڑے صاحبِ فہم و فراست اسی زلفِ پیچاں میں گرفتار ہوجاتے ہیں اور اس کے لئے جان و مال تک داؤں پر لگا دیتے ہیں، پھر مال کا معاملہ یہ ہے کہ زندگی کی سہولتیں، راحتیں چونکہ بالعموم اسی سے وابستہ ہوتی ہیں اس لئے آدمی اس کے لئے جدوجہد کرتا رہتا ہے پھر یہ اس کا شوق بن جاتا ہے خواہ وہ اس کے زیادہ کام نہ آسکے لیکن اس کا مالک بننا اور یہ احساس کہ ہمارے پاس اتنی دولت ہے ہم اس کے مالک و مختار ہیں ایک نشہ کی کیفیت رکھتا ہے، اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ، اگر آدم کے بیٹے کو ایک میدان بھرکر سونا مل جائے تو وہ چاہے گا کہ دو میدان بھرکر مل جائے اور اگر دو میدان بھرکر مل جائے تو چاہے گا کہ تین میدان بھرکر ملے، پھر فرمایا کہ آدم کی اولاد کا پیٹ تو مٹی ہی بھرتی ہے۔

دوسری طرف واقعہ یہ ہے کہ زندگی کی تمام امنگیں، رعنائیاں، خواہشات، تقاضے، جاہ و مال کی طلب میں وارفتگی سب کی سب آنکھ بند ہونے پر ختم ہوجاتی ہے، اور انسان کا وہ پیٹ جو چاندی سونے کے ڈھیروں سے نہیں بھر سکا تھا قبر کی صرف تھوڑی سی مٹی سے بھر جاتا ہے،

یہ وقت سخت وقت ہوتا ہے، انسان اپنے تمام مال و متاع، اپنی عزت و شہرت سے اس طرح ہاتھ جھاڑ کر چند فٹ کی جگہ میں سما جاتا ہے جیسے کہ وہ نہ کسی چیز کا مالک تھا اور نہ کسی کشادہ و باعزت جگہ پر متمکن،

اسلام نے مسلمان کو اس دن اور اس انجام سے غافل ہونے سے منع کیا ہے، اور یاد دلایا ہے کہ سب کو اسی راہ سے گزرنا ہے، اس کا نہ صرف فکر و دھیان رکھنا ضروری ہے بلکہ اس کے لئے تیاری بھی کرنا ضروری ہے، اس سلسلہ میں صرف نصیحت و تاکید پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اس کی مشق کے لئے مختلف عمل مقرر فرمائے، مثلاً روزہ ہے اس میں نفس کی رغبتوں اور بعض پہلوؤں سے وقتی طور پر انقطاع اختیار کرنے کا نظام مقرر فرمایا، حج ہے اس میں اپنے گھر بار سے کچھ مدت کے لئے دور اور مسافرت کی دشواریوں کو گوارا کرنے کا نظام مقرر فرمایا، صدقہ و زکوٰۃ ہے، اس میں اپنے مال میں سے کچھ حصہ نکال کر دوسرے کو دینے کا عمل مقرر فرمایا اور ان سب اعمال میں جذبہ یہ رکھا کہ وہ مرنے کے بعد کام آئے۔ یہ وہاں سامان و مدد کا ذریعہ بنے جہاں جانے والا اپنے ساتھ کوئی دنیاوی سامان و وسائل نہیں لے جاتا، جہاں وہ ان چیزوں سے ہاتھ جھاڑ کر جاتا ہے اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور دور رس مشق صحابۂ کرام کو ہجرت کے عمل کے ذریعہ کرائی گئی، اس میں اپنے پروردگار کے راضی رکھنے کے لئے، آدمی اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اجنبیوں کے درمیان اور اجنبی ماحول میں منتقل ہوجاتا ہے، اگر معاملہ چند روز کا ہو تو بھی غنیمت ہے، معاملہ تو زندگی بھر کا ہے جس میں اپنی پرانی جگہ پر لوٹنا نہیں ہے اگر کبھی لوٹتا ہے تو صرف محدود وقت کے لئے اور صرف مسافروں کی طرح،

وطن کی وہ فضائیں جن میں بچپن بسا ہوا ہو، وہ ماحول جس سے قلب و ذہن مانوس رہا ہو، وہ فوائد جن سے زندگی کی سہولتیں وابستہ رہی ہوں، بالکل ترک کر دینا، ان کے مساوی یا ان سے بہتر متبادل کے لئے نہیں بلکہ محض خدا کو راضی کرنے کے لئے، اور ایک مبہم، مشکوک و نامعلوم مستقبل کے لئے، یہ وہ قربانی ہے جس کا درجہ جہاد کے علاوہ (جس میں جان کی قربانی ہے) ہر عمل سے بڑھ جاتا ہے، چنانچہ جن صحابہ کو ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی انھوں نے بڑا مقام پایا، کیونکہ یہ مشکل ترین کام تھا۔

ہجرت نہ صرف یہ کہ ایک مشکل اور عظیم عمل تھا بلکہ وہ تربیت و تشکیل سیرت کا ایک بہت اچھا ذریعہ بھی تھا، ہجرت کے ذریعہ جو قربانی دینی پڑتی ہے وہ معمولی نہیں، یہ قربانی انسانی سیرت کی تعمیر کا بہترین ذریعہ بنتی ہے اس قربانی کے بعد سیرت کا وہ پہلو مکمل ہوتا ہے جس کی تکمیل سب سے زیادہ مشکل ہے، یعنی پسند اور راحت کو نظر انداز کر کے نئے حالات کو قبول کرنا، نئے حالات میں از سر نو حفاظت، عزت، اور ضروریات حیات کے لئے محنت کرنا، اور نئی دنیا اور نئے ماحول میں اپنی جگہ بنانا ہوتا ہے، پھر یہ نئی جگہ پرانی جگہ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ یہ وراثت میں نہیں حاصل ہوتی، اعزہ کے تعاون سے نہیں ملتی، پھر اگر ہجرت صحیح ہجرت ہے تو اس کے لئے ہر طرح کے وسائل نہیں اختیار کئے جاسکتے، اس کے لئے پاکیزہ، محتاط اور خشیت الٰہی سے مزین مزاج اور طریقۂ عمل اختیار کرنا پڑتا ہے، اسی لئے اسلام میں ہجرت کا عمل بڑا عظیم عمل ہے۔ اس سلسلہ

اس دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ باخط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو دی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ بع دی۔ پی خرچ 23/25 Rs. کے مطالبہ میں دی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ باخط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

Regd. No. L-WAP 56

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

Phone: 42344

Nadwatul-ulama Lucknow-226007 (India)

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء عالم اسلام کا ایک بڑا علمی و دینی مرکز ہے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی سرپرستی میں بفضلہ تعالیٰ اہم دینی و علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک، افریقہ، ملیشیا، تھائی لینڈ، یوگنڈہ، غانا، انڈونیشیا، تبت وغیرہ کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خوبصورت و عالیشان مسجد ابھی چند سال قبل توسیع کے مرحلہ سے گذر چکی ہے، جس میں اہل خیر حضرات نے دل کھول کر حصہ لیا تھا لیکن چند ہی برسوں میں طلبہ کی تعداد بڑھ جانے نیز جمعہ و عیدین میں قرب و جوار کے نمازیوں کی آمد کے سبب مسجد پھر بہت تنگ ہونے لگی، اکثر شامیانہ لگانا پڑتا ہے۔ باہر سے آئے ہوئے معزز مہمانوں نے بھی اس تنگی کو محسوس کر کے توسیع کی طرف متوجہ کیا مگر اس ہوش ربا گرانی کے زمانہ میں اتنے بڑے کام کا شروع کرنا آسان نہ تھا تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے بھروسہ پر بروز جمعہ ۲ رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۸ رمئی ۱۹۸۱ء بوقت اشراق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم کے ہاتھوں اس مبارک کام کا آغاز کر دیا گیا۔ اللہ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ اپنے گھر کی توسیع کے مراحل آسان فرمائے گا، موجودہ گرانی کے دور میں یقیناً یہ ایک اہم اور بڑا کام ہے، جس کے مصارف کا تخمینہ پانچ لاکھ سے کچھ زائد ہے۔

زیر تعمیر اضافہ انشاء اللہ تین منزلہ ہوگا اور مسجد کے مسقف حصہ کے بقدر انشاء اللہ توسیع ہوکر نمازیوں کیلئے دو رکنی گنجائش نکل آئے گی۔

دارالعلوم کی مسجد کی تعمیر عام مسلمانوں کے تعاون سے ہی ہوئی تھی جس میں خواتین نے بھی ہمت اور حوصلہ سے حصہ لیا تھا، امید ہے کہ اہل خیر حضرات اس مبارک کام میں فراخدلی کے ساتھ حصہ لیں گے۔

"مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ" (جس نے اللہ (کی عبادت) کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا)۔

(جناب) مصباح الدین (مقیم مال) — (مولانا) معین اللہ صاحب ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء) — (مولانا) محب اللہ صاحب ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء)

نوٹ: منی آرڈر، چیک اور ڈرافٹ بھیجنے کا پتہ: ناظم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۹۳، ندوہ، لکھنؤ

بقیہ ص ۱۴

درگزر امن وامان کے پھول برساتے ہوئے
اور یہ اعلان کرتے ہوئے
"الیوم یوم بر و وفاء الیوم
انتم الطلقاء"۔
(آج صلۂ رحمی کا اور وفا کرنے
کا دن ہے آج تم لوگ آزاد کئے جاتے
ہو)۔

اور صدیوں پہلے حقوق نبیؑ نے جس
کے لئے کہا تھا،
"اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس"
ہے کوہ فاراں سے آیا۔ اُس کی شوکت سے
آسمان چھپ گیا۔ زمین "احمد" کی حمد سے
بھر گئی۔

وہ کھڑا ہوا اس نے زمین کو لرزا دیا
. . . . . اس نے نگاہ کی
اور قوموں کو پراگندہ کیا قدیم پہاڑ ریزہ
ریزہ ہوگئے۔ پرانی پہاڑیاں اُسکے آگے
چور چور ہوگئیں۔ زمین کے پردے
کانپ جاتے تھے"۔

یہ ہیں اس کی زندگی کے ۲۳ سال۔
دیکھو جہاں مسجود ملائکہ انسان کی جان ایک
مچھر اور مکھی سے بھی زیادہ قیمت نہیں رکھتی
تھی، اُس کی جان تو بڑی چیز ہے اُس
کے کپڑوں کا ایک دھاگہ بھی رات کے اندھیرے
میں کوئی نکال نہیں سکتا۔ امن وامان کا
دور دورہ ہے اور آدم کے بچے چلے آتے
ہیں۔ ہر چہار طرف سے چلے آتے ہیں،
فوج در فوج چلے آتے ہیں، دونوں کا تانتا
بندھ جاتا ہے۔

پھر کیا مدینہ میں جو پایۂ تخت قائم
ہوا، وہاں منبر کی جگہ تخت بچھایا گیا وہی
منبر ہے وہی مسجد ہے، وہی جھونپڑے
ہیں، وہی چمڑے کا اکہرا گدا ہے، نہ خاص
ہیں نہ دربان ہیں، امیر بھی آتے ہیں اور
غریب بھی آتے ہیں دونوں کے ساتھ ایک
معاملہ ہے۔

عجب دربار اسلامیان کہتے ہیں شاہی
دربار تھا کہ فوج تھی، علم تھا، پولیس تھی
جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر
تھے، ضبط تھا، قانون تھا۔

مولوی کہتے ہیں، مدرسہ تھا کہ درس
تھا، وعظ تھا، افتاء تھا، قضاء تھا تصنیف
تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔
صوفی کہتے ہیں، خانقاہ تھی کہ دعا تھی،
جھاڑ تھا، پھونک تھی، ورد تھا، وظیفہ تھا،
ذکر تھا، شغل تھا، تحنث (چلہ تھا) گریہ تھا،
بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا،
کرامت تھی، نقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا،
قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھی کہ کھارے
کنویں کا پانی میٹھا ہو جائے، بچوں کے سر پر
ہاتھ پھیرا جاتا تھا۔

غرضیکہ جس کو جو کہہ دیا جاتا ہے پورا
ہو جاتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا، اسلئے
کہ وہ سب کے لئے آیا تھا، آئندہ جس کسی کو
چلنا تھا۔ جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں
چلنا تھا، اُسی کی روشنی میں چلنا تھا، اُسی
کے نقش پا پر قدم بہ قدم چلنا تھا۔

یہ تو سب نے اسکے لئے کہا لیکن خود
اُس نے اپنے لئے کیا کہا، کیا چاہا؟
"مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مجھے مسکین
ہی مار اور مسکینوں کے ساتھ اٹھا"۔

کیا اس آرزو کی ہر کلیجہ میں تو ہے،
کس کا جگر ہے جو یہ کہہ سکتا ہے، بجز اسکے
جس کے لئے کہا گیا ہے۔

"وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً
لِّلْعٰلَمِيْنَ"۔

ایک اہم اعلان

رجسٹر خریداری تبدیل کر دیا گیا ہے
اور
تقریباً اکثر خریداروں کے نمبر بدل
گئے ہیں۔ براہ کرم پتہ سلپ پر سے
اپنا جدید خریداری نمبر نوٹ کر لیں اور
خط و کتابت کے وقت یا منی آرڈر کوپن
پر اس کا حوالہ دینا نہ بھولیں۔
(منیجر)

تصحیح

گذشتہ شمارہ جو ۲۵ دسمبر کا تھا اس
میں جلد نمبر کو ۱۹، اور شمارہ نمبر کو ۴
کر لیں۔ (منیجر)

غزل

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

ہر فعل ناروا کو روا مانتے ہیں لوگ
قائل تو ہیں اطاعت پروردگار کے
ظاہر میں انکسار برتنے کی مشق ہے
قدریں بدل گئی ہیں زمانے کے ساتھ ساتھ
یوں ہو چکے ہیں خوگر جور و ستم کہ اب
کل تک جو عیب تھا وہ ہنر بن چکا ہے آج
روحانیت تو جیسے کوئی چیز ہی نہیں
وہ جس سے کھا چکے ہیں مسلسل کئی فریب
یوں پختہ ہو چکی ہے غلامانہ ذہنیت

سمجھائیے اگر تو بُرا مانتے ہیں لوگ
پھر بھی ہمیشہ اپنا کہا مانتے ہیں لوگ
باطن میں خود کو سب سے بڑا مانتے ہیں لوگ
اب شر کو نیکیوں کی جزا مانتے ہیں لوگ
بادِ سموم کو بھی صبا مانتے ہیں لوگ
اب رشوتوں کو فضل خدا مانتے ہیں لوگ
دولت کو ہر مرض کی دوا مانتے ہیں لوگ
اب بھی اسی کو راہنما مانتے ہیں لوگ
غیروں کی ہر خطا کو ادا مانتے ہیں لوگ

کیا فائدہ طفیلؔ سنانے سے اب غزل
حق بات بھی کہو تو بُرا مانتے ہیں لوگ

اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں

حدیث کا بنیادی کردار

ذیل کا مضمون مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ کے اس عربی مضمون کا ترجمہ ہے جو انھوں نے رابطۂ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی دعوت پر مکہ مکرمہ میں رابطہ کے منعقد کردہ اجتماع میں پڑھا تھا۔ مقالہ کا اردو ترجمہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ نے حال ہی میں کتابچہ کی شکل میں شائع کیا ہے۔ حدیث شریف کی اہمیت و مقام کو جاننے کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ افادۂ عام کی غرض سے ہم اس کو شائع کر رہے ہیں۔

بعثت محمدیؐ کے مقاصد اور شعبہ ہائے چہارگانہ:

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت وتعلیم کے مقاصد ونتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہاں صراحۃً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے،

(۱) تلاوت (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفس

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ (سورۂ جمعہ ۔ ۲)

وہی ہے جس نے اُن پڑھوں میں ایک رسول انھیں میں سے مبعوث فرمایا، جو ان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے، اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ ۔ ۱۵۱)

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے، اور تمھیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثت محمدی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم وحکمت عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات وکیفیات، نیا یقین وایمان، نیا ذوق وشوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوقِ آخرت، نیا جذبۂ زہد وقناعت، دنیا کی متاعِ حقیر اور دولتِ فانی کی تحقیر، نئی محبت والفت، حسن سلوک وہمدردی، برّ ومواسات، مکارم اخلاق، اسی طرح سے نیا ذوقِ عبادت، خوف وخشیت، توبہ وانابت، دعا وتضرع کی دولت عطا فرمائی، اور انھیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا، جس کو "عہد رسالت" اور "عہد صحابہ" کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے، صحابۂ کرامؓ ان مقاصد ونتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے، اگر ان شعبہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابۂ کرامؓ کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

وہ عناصر وعوامل جنھوں نے صحیح اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل کی:

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت وتعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی، اور اس سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع ووسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس عظیم الشان انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر وارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

(۱) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی زندگی، سیرت واخلاق (۲) قرآن مجید (۳) آپ کے ارشادات وہدایات، مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد ونتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر وتشکیل میں ان تینوں عناصر وارکان کا دخل ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی، اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں، وجود میں نہیں آسکتی، زندگی کے نئے

شرط ہے، یہاں دیے سے دیا جلتا ہے، صحابۂ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد واعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق، اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ ذوق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں، وہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کامل ترین، موثر ترین، محبوب ترین زندگی کا بھی اثر ہے، جو شب وروز ان کے سامنے رہتی تھی، اس سیرت واخلاق کا بھی نتیجہ ہے، جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے، اور ان ارشادات ونصائح وتلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے، اس سب کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف تواعد وضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات وترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی، حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

صحابۂ کرامؓ کی اسلامی زندگی میں ذوق، مشاہدہ اور صحبت کا حصہ:

صحابۂ کرامؓ نے قرآن مجید سے "اقامۃ صلوٰۃ" کا حکم پایا تھا اور "اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ" (المومنون ۔ ۲) کی تعریف بھی سُنی تھی، مگر انھوں نے اس کی صحیح کیفیت اسی وقت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں، اور آپ کے رکوع وسجود کی کیفیت دیکھی جس کو انھوں نے "نسمع لہ اَزِيْزًا كَأَزِيْزِ الْمِرْجَلِ من البکاء" (ابوداؤد، ترمذی) "ہم آپ کے سینہ کی آواز فرطِ گریہ سے اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں اُبال آتا ہے"۔ کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، انھوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے، لیکن جب تک انھوں نے زبان نبوی سے "وجعل قرة عيني في الصلاة" (نسائی) "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔ اور بے قراری اور انتہائے شوق واضطراب کے ساتھ "یا بلال أقم الصلاة" (ابوداؤد) (بلال نماز کی اقامت کہہ کر مجھے آرام پہونچاؤ) نہیں سنا، ان کو نماز کے ساتھ اس عشق وشغف کا نماز نہیں ہوا، اسی طرح جب تک انھوں نے خاصان امت کے سلسلہ میں "ورجل قلبہ معلق فی المساجد" (بخاری ومسلم) "ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے، اُن کو مسجد اور قلب مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہوسکا، انھوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی، دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا، اور تضرع وابتہال (گریہ وزاری اور الحاح واصرار) کے الفاظ ومفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اسکی حقیقت انھوں نے اس وقت جانی جب انھوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سُنا کہ "اللھم انشدك عهدك ووعدك اللھم ان شئت لم تعبد" (صحیح بخاری، کتاب المغازی) "اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ اگر تو چاہے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا۔ تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابوبکرؓ سے نہ دیکھی جاسکی یہاں تک کہ انھوں نے عرض کیا "حسبك" (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز ودرماندگی کا اظہار ہے، اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو، اسی قدر وہ دعا قبول ہے، لیکن بندگی اور عجز ودرماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انھوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سُنا۔

اللھم انت تسمع کلامی وتری مکانی وتعلم سری وعلانیتی

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا

لا يخفى عليك شيء من أمري وأنا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق، المقر المعترف بذنبي، أسألك مسألة المسكين، وابتهل إليك ابتهال المذنب الذليل وادعوك دعاء الخائف الضرير، ودعاء من خضعت لك رقبته، وفاضت لك عبرته، وذل لك جسمه ورغم لك أنفه، اللهم لا تجعلني بدعائك شقيا وكن لي رؤوفا رحيما، يا خير المسئولين ويا خير المعطين۔

ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں، جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں، جیسے گنہگار و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوفزدہ، آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو، اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں، اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو، اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو، اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ، اور میرے حق میں بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہوجا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اے سب دینے والوں سے اچھے۔

(کنز العمال عن ابن عباس)

قرآنی اخلاق: قرآن کے مخاطبین اولین نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقتی و بے ثباتی اور آخرت کی اہمیت اور پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور "وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ۔" (الروم۔۶۴) "اور دنیا کی یہ زندگی محض کھیل تماشہ ہے، اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی، اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے، اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور "اللّٰهم ان العيش، عيش الآخرة" (صحیح بخاری، کتاب المغازی) پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے، اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں جہنم کے شدائد و مصائب، اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی، اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع خلق، رفق جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے اہل زبان بھی تھے، اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں انکی تطبیق، نیز صحیح عمل، ان کو صرف اس وقت معلوم ہوا، جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا، اور آپ کی اس بارے میں ہدایات، وصیتیں، اور ارشادات سنے، ان کو عامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی، مگر اس کی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنازہ، تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں، اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی، اسی طرح والدین و اہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام تک پہونچتا جس کا اظہار حدیث نبویؐ "ان من ابر البر صلة الرجل اهل ودّ ابيه بعد أن يولّي" (مسلم) (فرزند کے حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل بیت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہونچ سکتے، جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے "وربما ذبح الشاة

ثم يقطعها اعضاءً ثم يبعثها في صدائق خديجة۔" (بخاری، مسلم) اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے، پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہؓ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے۔

حدیث کے شعبۂ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں، جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے، اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے، اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

احکام پر بسہولت عمل کرنے کے لئے مناسب ماحول اور سازگار فضا کی ضرورت،

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو موثر اور منتج بنانے کے لئے درکار ہے، مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول، اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت، اسکی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے، اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وسیع و مؤثر بنائیں، اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور و تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا، وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی، اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے، اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات و ہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق، نیز امت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے، مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلّم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان فضائل، نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے، پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے، اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے، صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبویؐ اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرد و منقطع کر لیا جائے، اور ان کو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے، جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے، اور جو اب حدیث کی بنا پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے، اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و انابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

قدیم مذاہب نے کس طرح اپنے انبیاء کے صحیح احوال و اقوال کو گم کر دیا؟

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں، جس میں دین کا پودا سرسبز بار آور ہوتا ہے، دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں،

وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان جذبات و واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے، جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اسکے حالات زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی، نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد بے فروغ ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں رہا تھا، اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی، جس میں پیروان مذاہب دینی نشو و نما اور روحانی بالیدگی حاصل کرتے اور مادیت و الحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے، انھوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروان مذاہب و "پیروان طریقت" کے واقعات و ملفوظات سے پُر کیا، مگر اس "خانہ پُری" نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات و رسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا، جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی، ان مذاہب و اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی اب ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت بن گئی ہے۔

خلا کو پُر کرنے کی کوشش اور بزرگوں کے حکایات و "ملفوظات" کے مجموعے،

اسی مقصد کے تحت تلمود[1] کے صحیفے تیار ہوئے اور یہودیوں کا اس کی تلاوت و شرح اور مطالعہ سے اس قدر اشتغال بڑھا کہ توراۃ کی حیثیت ثانوی رہ گئی، علمائے یہود کے ایسے اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں، جو تلمود کو عہد قدیم کے صحیفوں پر ترجیح دیتے ہیں، تلمود کے ان صحیفوں میں طبعی طور پر اور بے بنیاد یہودی افکار اور خارجی اثرات قبول کرنے والے پست یہودی معاشرہ کے اثر سے بہت سے ایسے قصے کہانیاں داخل ہو گئیں، جن کا تعلق محض خیال آرائی یا خوش اعتقادی اور اوہام پرستی سے ہے، ان پر خدا کا یہ فرمان صادق آتا ہے "وما قدروا الله حق قدره" (الانعام) "اور انہوں نے خدا کی قدر جیسی جاننی چاہئے تھی نہ جانی"۔ عیسائیوں نے اپنے طور پر مختلف کتابیں تالیف کیں، اور عہد جدید کے صحیفوں میں ان کا اضافہ کر دیا، اضافہ شدہ کتابوں میں "رسولوں کے اعمال" "پولس رسول کے خطوط" "پطرس کے خطوط" "یوحنا کے خطوط" اور "یوحنا عارف کا مکاشفہ" وغیرہ ہیں[2]

برہمن اور قدیم ہندو مذہب کے پیروؤں کا زیادہ تر شغف "گیتا" سے رہا جو شری کرشن جی کے ملفوظات و اقوال پر مشتمل ہے، اسی طرح "رامائن" سے جو رام چندر جی کے تذکرہ اور حکایات کا مجموعہ ہے، نیز مہابھارت اور اس طرح کے جنگی قصوں اور شاہناموں سے رہا، یہی حال ایرانی مجوسیوں کا "اوستا" کی شرح "زندافیست" کے ساتھ ہے۔

یہ کتابیں ان مذاہب کے ماننے والوں اور قدیم مذاہب کو اپنے ابتدائی مبلغین اور داعیوں کی تعلیمات، ان کی زندگی و کردار، ان کے حقیقی رجحانات سے واقف کرانے، انکی زندگی اپنانے، ان کے اسوہ پر عمل کرنے اور ان کی دعوت و عقیدہ کی حفاظت کا جذبہ بیدار کرنے سے قاصر رہیں، بلکہ انھوں نے فائدہ کم نقصان زیادہ پہونچایا، اور یہی کتابیں ان قوموں کے دینی ذوق کے فساد، ان کی فطرت کے انحراف، اور ہر اس چیز کی (جو تخیل پر مبنی، حقیقت سے بہت دور اور فطرت سلیم سے ٹکرانے والی ہو) تقدیس و تعظیم و پرستش کی ذمہ دار ہیں، ان قوموں کے ادب و زبان، ان کے خیالات و تصورات، ان کے معاشرے اور خواہشات و رجحانات پر ان کتابوں کا گہرا اور دور رس اثر پڑا، اور اب بھی قائم ہے، ان کتابوں نے تدریجی طور پر ان مذاہب کو بدعتوں، خرافات، دور از کار تاویلات، اور انتہا پسندانہ نت نئی شروح و تفسیرات کا ایسا معجون مرکب بنا دیا جس میں ان مذاہب کی حقیقی تعلیمات اس طرح گم ہو گئیں جیسے سمندر میں سرکہ کا ایک قطرہ۔[3]

انبیائے سابقینؑ کی سیرتوں اور حدیث و سیرت نبویؐ کا ایک سرسری موازنہ:

خدا کی یہ مصلحت و حکمت، انبیائے سابقین کے سیر و حالات اور سیرت نبویؐ کے تقابل و موازنہ سے آشکارا ہوتی ہے، جب انسان اس سیرت اور دوسرے انبیاء کی سیرتوں کا تقابل اور موازنہ کرتا ہے، تو اسے وہ قدیم سیرتیں، امم سابقہ کے جہل و تغافل اور تاریخ کے خونی حوادث کی تاریکیوں میں گم نظر آتی ہیں، اور یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انھوں نے خاص زمانہ میں ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور مشعل راہ کا کام کیا، لیکن ہمیشہ ان کے محفوظ رہنے اور قیامت تک کی نسلوں تک بے کم و کاست پہونچنے کی عملاً کوئی ضرورت نہ تھی۔

اس کے لئے ہمیں حضرت مسیحؑ کی سیرت کا مطالعہ ہی کافی ہے، حضرت مسیحؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم سے پہلے آخری نبی ہیں، اور ان کی حلقہ بگوش ایک ایسی امت ہے جس کا علمی و تصنیفی شغف تمام دنیا پر روشن ہے، اسی کے ساتھ اس کی محبت و عقیدت اپنے پیغمبر سے غلو و مبالغہ کی حد تک پہونچی ہوئی ہے، اور اس نے ان کو بشریت کے دائرہ سے نکال کر الوہیت کے دائرہ میں داخل کر دیا ہے، لیکن وہ بھی دنیا کے سامنے اپنے نبی کے صرف ایسے مختصر اور ادھورے معلومات ہی پیش کر سکی، جو کسی طرح ایک مکمل انسانی زندگی کی تصویر نہیں بناتے، جسے انسان اپنی نجی زندگی میں سامنے رکھے، یا جس کی روشنی میں کوئی صالح معاشرہ وجود میں آسکے، ابھی کچھ دنوں پہلے تک یہی دنیا کا خیال تھا کہ "عہد جدید" یعنی انجیل، سیرت مسیحؑ کے آخری تین سال کے واقعات پر مشتمل ہے، لیکن اب محققین اور اس موضوع کے ماہرین اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کے پچاس دنوں سے زیادہ کے واقعات و معلومات کا مواد نہیں۔

فاضل پادری ڈاکٹر چارلس انڈرسن اسکاٹ (CHARLES ANDERSON SCOTT) "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" میں اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:۔

"یسوعؑ کی سیرت لکھنے کی کوشش ہی سے صاف صاف دستبردار ہو جانا چاہئے، اس کے لئے سامان ہی موجود نہیں ہے، یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ جتنے ایام زندگی کے متعلق کچھ معلومات موجود ہیں، ان کی تعداد پچاس سے زیادہ نہیں"۔

(جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۱، چودہواں اڈیشن)

دوسرے انبیاء اور پہلے مذاہب کے رہنماؤں کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انکے واقعات اور نقوش حیات ماضی کے ملبے کے نیچے دفن ہو گئے ہیں، اور ان کی وہ اہم کڑیاں (جن کے بغیر تاریخ مکمل ہی نہیں ہو سکتی، اور جن کے بغیر اتباع و اقتدا کا کوئی قدم ہی نہیں اٹھایا جا سکتا) اس طرح گم ہیں کہ اب انھیں پانا ممکن نہیں ہے، اور یہ بات حکمت الٰہیہ کے عین مطابق اور نظام عالم کے قوانین کے بالکل موافق معلوم ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی کرداروں کی (جو نمونہ و مثال اور آئیڈیل کا کام دیں) ایک محدود عمر ہوتی ہے، جس کے ختم ہو جانے پر ان اقدار کو نسل بہ نسل منتقل کرنے کی کوئی افادیت نہیں رہ جاتی، لیکن جب ان کی ضرورت باقی اور دائمی ہوتی ہے، تو وہ زمان و مکان کے انقلابات کے باوجود باقی رہتی ہیں، ان کا تسلسل قائم رہتا اور وہ سدا بہار و زندۂ جاوید بن جاتی ہیں، جن کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔

اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا، جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابۂ کرامؓ نے زندگی گزاری، حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا، بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعتاً اس ماحول میں پہونچ جائے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس موجود ہیں، جہاں رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم مصروف تکلم، اور صحابۂ کرامؓ گوش برآواز ہیں، جہاں احکام کے ساتھ عمل کی شکلیں، اور عمل کی شکلوں کے ساتھ جذبات و کیفیات کے مناظر بھی نظر کے سامنے ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے، یہ ایک دریچہ ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت و معیشت

---

[1] تلمود وشنا اور جیمارہ کا مشترک نام ہے، جو زبانی شریعت اور یہودیوں کے دوسرے رسم و رواج اور عادات پر مشتمل ہے، تلمود کے نسخے ... زیادہ سے زیادہ بڑی تقطیع پر بارہ جلدوں میں ہیں، تفاسیر و حواشی پر مشتمل ہیں اور بکثرت ہیں (دائرۃ المعارف للبستانی) جیوئیش انسائیکلوپیڈیا میں ذکر کیا گیا ہے کہ تلمود اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ وثنیت (بت پرستی) میں یہودیوں کے لئے بڑی کشش پائی جاتی تھی (جیوئیش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۲، ص ۵۶۹، ۵۷۰)، [2] ملاحظہ ہو کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ (مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ص ۱۰۷، ۲۴۲) [3] تفصیل کے لئے مولانا سید سلیمان ندوی کی گراں قدر کتاب "خطبات مدراس" کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا خطبہ ملاحظہ ہو۔

اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے، آپ کے سجود کی کیفیت آنکھوں سے، اور آپ کی دعا و مناجات کا زمزمہ کانوں سے سُنا جاسکتا ہے، پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان اس کثرتِ عبادت کی وجہ پاؤں پھٹنے اور سوال کرنے پر یہ آوازیں سنیں "افلا اکون عبداً شکوراً" (بخاری مسلم) "کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟" وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں؛ جن آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولھا گرم ہوتے نہیں دیکھا، جنھوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، جس نے سونے سے پہلے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہِ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے ہوئے دیکھا، اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے، اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا! جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت، اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت، اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا، وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کا ملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا!

پھر اس ماحول میں صرف کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے، جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے، بلکہ صحابۂ کرام کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت ان کے "دنوں کی تپش، ان کی شبوں کا گداز" ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بے نفسی و للّٰہیت، اور ان پر نفس انسانی کے حملے، ان کا اقتصاد کامل، اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں، یہاں ابوطلحہ انصاریؓ کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گذرتا ہے، جب انھوں نے بہانہ سے چراغ بجھا کر مہمانوں کو شکم سیر اور خود کو بھوکا رکھا[1]، حضرت کعب بن مالکؓ کے غزوۂ تبوک سے پچھڑ جانے کا قصہ بھی سامنے آتا ہے جس میں انھوں نے اپنی کوتاہی کا بے تکلف اقرار کیا ہے کہ وہ محض "آج کل" اور ذرائع سفر کے موجود ہونے کی بنا پر اطمینان کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کے ساتھ نہ جا سکے، پھر توبہ کی قبولیت اور اعلان عفو سے پہلے ان کی وفاداری اور استقامت کا جس طرح امتحان ہوا، اور ان کے قلب محبت آشنا پر جو گزری اس کی انھوں نے بے کم و کاست روداد سنائی[2]۔

اسی طرح ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اپنی زندگی کا سب سے نازک، زہرہ گداز اور دلچسپ واقعہ (واقعۂ افک) اپنی ذاتی و خاندانی صداقت و جرأت اور عربی بلاغت و قدرت بیانی کے ساتھ سناتی ہیں، جس میں لطیف و غیر رسمی شعور و احساسات، ایمان و اعتماد اور رضا و وفا کی کیفیتیں، بیک وقت اس طرح جھلک رہی ہیں کہ ادب و تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے، اسی کے ساتھ ان کے والد ماجد ابوبکر صدیقؓ کے صبر و تحمل اور مسطح بن اثاثہ کے بارے میں ایثار و قربانی کی وہ مثال ملتی ہے، جس سے مکارم اخلاق کے دفتر خالی ہیں[3]، اسی طرح حاطب بن ابی بلتعہ کی ایک شہری لغزش اور اجتہادی غلطی (جو فتح مکہ کے موقعہ پر پیش آئی تھی) احادیث صحیحہ کے اس دفتر میں چھپائی نہیں گئی کہ وہ بھی ایک زندہ انسانی معاشرہ کا پہلو اور فطرت انسانی کا خاصہ ہے، جس سے سیکھنے والے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، اسی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے پایاں عفو، سابقہ خدمات اسلامیہ کی قدر و اعتراف، اور اپنے خدام و جاں نثاروں کی طرف سے مدافعت کا نمونہ بھی سامنے آتا ہے، جو سیرت و دعوت دونوں کے صحیفوں میں نمایاں جگہ پانے کے قابل ہے، اور قائدین مصلحین کے لئے چراغ راہ اور نشان منزل کا حکم رکھتا ہے[4]، غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی ماحول ہے، جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و دقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے، اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دورِ نبوی کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا، اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا، اسلام کا ایک اعجاز، اور اس کا ایسا امتیاز ہے، جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کی شریک و سہیم نہیں، ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا، اور تمام آنیوالی نسلوں کو عمل نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات، اور قلب و دماغ کو غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے، "تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی کوئی "جدت" نہیں ہے، صحابۂ کرامؓ کا عہد نبویؐ ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا، پھر انھیں کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران و خراسان و ترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع و حفظ، حدیث سے عشق و شغف، ان کا غیر معمولی حافظہ، ان کا عزم و عالی ہمتی، پھر اسماء رجال و فنِ روایت کے مجتہدین کا پیدا ہونا، جن کو اس کا ملکۂ راسخہ، اور بصیرت کاملہ حاصل تھی، پھر ان کا انہماک و خود فراموشی، پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ، اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت، یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس "صحیفۂ زندگی" کو بھی محفوظ کرنا مقصود تھا۔

(باقی آئندہ)

نگرانِ اعلیٰ
مولانا ابوالعرفان ندوی

مجلس ادارت
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

[1] بخاری و مسلم نیز ملاحظہ ہو تفسیر آیت "وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (الحشر ۹) [2] صحیح بخاری کتاب المغازی۔ [3] ایضاً [4] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب المغازی۔
[5] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی فاضلانہ تصنیف "تدوین حدیث" شائع کردہ مجلس علمی کراچی۔

افغانستان پر روسی حملہ کا کوئی جواز نظر نہیں آتا

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

۲۷ دسمبر کو دلی میں افغانستان میں روسی جارحیت کے ڈھائی سال پورے ہونے پر مسلمانوں نے بچوں کے گھر زاید بن سلطان آل نہیان ہال میں احتجاجی جلسہ منعقد کیا اور افغانستان میں روسی مداخلت کی مذمت کی اور حکومت ہند کو خبردار کیا کہ جس طرح روس نے افغانستان میں فوجی مداخلت کی جب وہ ہند کی سرحدوں سے قریب ہو جائے گا تو وہ ہند کے ساتھ بھی افغانستان جیسا معاملہ کرے گا۔

اس کانفرنس میں شرکت کے لئے رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل نے عبدالستار سیرت کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور سکریٹری جنرل کے پیغام کو انھوں نے ہی پڑھا، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی بھی اس جلسہ میں شرکت کے لئے فیصلہ کر چکے تھے مگر ایک عزیزہ کے سانحہ کی وجہ سے آپ نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا اور کانفرنس کے نام ایک پیغام بھیجا جس کو ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے پڑھ کر سنایا وہ یہ ہے:۔

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی اور اطمینان ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان بلا اختلاف مسلک و مشرب متفقہ طور پر گزشتہ برسوں کی طرح ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء کو دہلی میں افغانستان میں روسی جارحیت و مداخلت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں گے۔

عصر حاضر میں ہمیں اطمینان ہو چلا تھا کہ اقوام متحدہ کے قیام اور انسانی شعور کے ارتقاء کے سبب سے اب ماضی کا دور وحشت و بربریت واپس نہیں آئے گا اور چنگیز و ہلاکو اب من مانے طور سے دنیا کو پامال اور تاراج نہ کر سکے گا اور انسان کچھ عرصے تک امن و عافیت کا سانس لے سکیں گے مگر ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو افغانستان جیسے پرامن اور پسماندہ ملک پر روس نے (جو عوام کی حمایت، غریبوں اور مزدوروں کی خدمت کا علمبردار ہے) فوجی حملہ کر کے اس اطمینان کو غارت کر دیا اور امن عالم کے قائم شدہ تصور کو پاش پاش کر دیا۔

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو افغانستان پر روسی حملے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا اور وہ ایک فوجی اتفاق و غارت گری اور بے شرمی و بے حیائی کے کھلے مظاہرے کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ امداد اور سیاسی استحکام کے نام پر ایک لاکھ سے زائد روسی فوجیں دو سال سے جس تشدد و بہیمیت اور وحشت و بربریت کا مظاہرہ کر رہی ہیں اور جس طرح وہ افغانستان کے غیرت مند، اسلام پسند اور انسان دوست عوام کا تقریباً عام (GENOCIDE) کر رہا ہے وہ انسانیت اور امن عالم کے منہ پر طمانچے اور اس سے بھونڈے مذاق کی حیثیت رکھتا ہے اور انسانیت کے حال و مستقبل سے بالکل مایوس کر دیتا ہے۔

دنیا کے بیشتر امن پسند اور انصاف دوست ممالک نے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے روسی حملہ کی مذمت کی اور اس کے خلاف صدائے حق بلند کی مگر سوویت روس کے کانوں پر جوں نہیں رینگی اور اس کی ڈھٹائی میں کوئی فرق نہیں آیا اور اس نے اپنی جارحیت اور غیر قانونی مداخلت پر کوئی شرمندگی اور معذرت نہیں ظاہر کی اس لئے دنیا کے تمام امن پسند اور انسانی دوست عوام کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ ایسے ظالم و جارح کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور اسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش جاری رکھیں۔

خصوصاً مسلمانوں کا تو یہ مذہبی اور دینی فریضہ بھی ہے کہ وہ دنیا میں عدل و انصاف کے قیام کے لئے کوشاں ہوں اور ظلم و عدوان سے عدم تعاون کریں۔

"تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"

میں اگر علیل و معذور نہ ہوتا تو حتی المقدور آپ کے اس عظیم اجتماع میں ضرور شرکت کرتا اور حق پسندوں کے ساتھ مل کر اپنی صدا بھی بلند کرتا، تاہم اس پیغام کے ذریعے سے میں اس میں یک گونہ شرکت کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور دعاگو ہوں کہ افغانستان کے مظلوم بھائیوں کے حق میں ہندوستانی عوام کا ضمیر بیدار ہو اور وہ اپنے دیرینہ و مخلص دوستوں کی مصیبت و مظلومیت میں ان کا ساتھ دیں اور ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کریں۔ خدا کرے کہ یہ اجتماع ہر طرح کامیاب ہو اور افغانی عوام کو امن و انصاف دلانے میں ہر طرح معاون ہو۔

(ابوالحسن علی)

حضرت مولانا کے پیغام کے بعد ڈاکٹر صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ جس طرح حکومت ہند نے بنگلہ دیش سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کے لئے ریزرو ٹکٹ جاری کئے تھے اسی طرح افغان بھائیوں کے لئے جنھوں نے ہماری ہر موقع پر حمایت کی اور حصول آزادی کے لئے جائے پناہ بنے، پانچ یا دس پیسے کے ٹکٹ جاری کریں اور خبردار کیا کہ اگر روسی سیلاب کو افغانستان کے ماورا نہیں روکا گیا تو برصغیر اس خطرہ سے بچ نہیں سکتا ہے اور ہندوستان کی تاریخ شاہد ہے کہ دشمن کو اگر پہلے ہی سرحد میں نہیں روکا گیا تو اس نے دل کا دروازہ ضرور کھٹکھٹایا ہے اور حکومت ہند جو روس کی متہم علیہ ہے اس خطرہ کو محسوس کرے اور افغانستان میں جارحیت کے خلاف رائے عامہ کی ترجمان کرے اور فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

اس کے قبل اس مسئلہ پر مقررین نے اپنی رائے دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ ہندوستان کی فوجوں کی موجودگی میں جو اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ہو الکشن کرائے جائیں اور روس کے انکار پر حکومت ہند روس سے تعلقات منقطع کرے، اور جو اقدام اس وقت روسی کر رہے ہیں اسی قسم کا بلان نازی کی نگاہ میں اس سے قبل تھا اور اس میں ہندوستان کی سرزمین بھی شامل تھی۔

اس سے قبل رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری کے پیغام کو رابطہ کے مندوب جناب عبدالستار سیرت نے عربی میں پڑھا جس میں سکریٹری جنرل نے منتظمین جلسہ کو مبارک باد دی اور اہل مکہ کا سلام پہونچایا اور ہندوستانی

افغانستان میں روسی جارحیت انسانیت کے چہرہ پر بدنما دھبہ ہے

محمد علی الحرکان

مسلمانوں کا شکریہ ادا کیا اور ان کے اس اقدام کو قابل قدر تصور کیا ہے، انھوں نے اپنے پیغام میں اسلامی افغانستان کے مسئلہ پر پوری حمایت و امداد کی، یقین دہانی کی اور عالمی و انسانی ضمیر کو بیدار کرنے میں قابل قدر حمایت اور حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنے میں میرے ہاتھ کو مضبوط کرنے کی توثیق کی، آپ نے اپنے پیغام میں کہا:۔

آج سے دو سال قبل متمدن دنیا نے حقوق انسانی کے سیدھے سادھے اصول کو پاش پاش ہوتے ہوئے دیکھا اور ایک چھوٹے اور کمزور و ترقی پذیر اور صلح جو ملک پر دنیا کی عظیم طاقت کی جانب سے کھلی جارحیت دیکھی روس اسلامی افغانستان میں اپنی فوج کے ساتھ گھس گیا اور اس کو اپنی نوآبادی میں شامل کرنا چاہا جس کا وہ خواب مدت طویل سے دیکھ رہا تھا کہ اس کی گرم پانی تک کس طرح رسائی ہو اور فوجی اہمیت کے مالک علاقوں پر کس طرح قبضہ کرے اور اسلامی علاقوں کو اپنا دست نگر کس طرح بنائے،

انھوں نے کہا کہ یہ اس متمدن انسان کے چہرے پر بدنما داغ ہے کہ ایک بڑا ملک ایک لاکھ فوجوں اور جدید ترین اسلحہ کے ذریعہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور حکومت سے کنارہ کش لوگوں کا قتل عام کرے، شہروں کو خاکستر کردے، آبادیوں کو ویران کردے اور کاشت کو رائیگاں بنادے، مساجد کی بے حرمتی کرے اور ۲۰ لاکھ سے زائد افراد کو ملک چھوڑنے پر مجبور کردے یہ انسانیت کے چہرے پر ایسا بدنما دھبہ ہے جس کی مثال اب تک نہیں ملتی ہے۔

مذہب بیزار ملحدوں نے بربریت اور وحشیت سے کام لیا اور نیپام بم برسائے اور زہریلی گیس کا استعمال کیا اور مہاجرین کے خیموں کو جو دوسرے ملک میں لگائے گئے تھے نقصان پہونچایا اور بچوں کو معذور و مفلوج اور تکلیف پہونچانے کے لئے چھوٹے چھوٹے خوبصورت کھلونے بنائے جو دیکھنے میں دیدہ زیب تھے مگر اصلاً وہ تباہی و بربادی کے سامان تھے۔

روس کے اس اقدام کی پوری دنیا نے مذمت کی حتی کہ روس دوست ممالک نے بھی روس کے اس اقدام کو قابل مذمت نقطۂ نظر سے دیکھا اور اقوام متحدہ نے بھی اس کی مذمت کی اور فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ نے ربیع الاول ۱۴۰۰ھ میں روس کے اس اقدام کو بین الاقوامی قوانین، عہد نامے اقوام متحدہ کے اصول و اسلامی کانفرنس کے ضابطے اور حقوق انسانی کے دستاویز کے خلاف بتایا اور روسی افواج کی فوری طور پر واپسی کا مطالبہ کیا اور یہ اپیل کی کہ افغانی قوم جو ملک اور وطن سے اس وقت دور ہیں کی پوری مدد کی جائے۔ اس مسئلہ میں رائے عامہ نے ہمارا ساتھ دیا مگر روس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور اس نے اپنا موقف سخت کر دیا۔

رابطہ عالم اسلامی جس میں اسلامی ملکوں کی پوری نمائندگی ہے وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھی رہی بلکہ اس نے روسی جارحیت کے خلاف آواز بلند کی اور مختلف کانفرنسوں میں اس مسئلہ پر غور کرنے پر مجبور کیا اور افغانی مہاجرین کی مدد کے لئے ایک مستقل فنڈ قائم کیا اور انہی وجوہات کی بناء پر رابطہ عالم اسلامی نے اپنے اجلاس منعقدہ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ میں یہ قرارداد پاس کیا کہ ہمیں ہر موقعہ پر سوویت یونین کی مذمت کرنی چاہئے اور رابطہ عالم اسلامی کا دروازہ افغان بھائیوں کی مدد کے لئے کھول دیا۔

آخیر میں رابطہ عالم اسلامی کے مندوب جناب عبدالستار سیرت پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا، افغانستان کا المیہ ایک بڑی طاقت کا پیدا کردہ ہے، اس نے تمام انسانی اور قانونی قدروں کو پامال کر دیا ہے مگر افغانی قوم بھی اس جارحیت کا مقابلہ ڈٹ کر کر رہی ہے اور دنیا کی ایک بڑی طاقت سے ٹکر لے رہی ہے۔

آپ نے اپنی تقریر میں روسیوں کے اس مقولہ کو دوہرایا کہ وہ معاہدہ کے تحت آئے اور جواب دیا کہ نور محمد تراکی، حفیظ اللہ امین کو کس نے کرسی صدارت پر بٹھایا اور ان کے ساتھ معاہدہ کیا نور محمد تراکی کو اپنے مقاصد کے تحت لائے مگر جب ناکامی ہوئی تو اسے قتل کر دیا اور حفیظ اللہ امین کو لائے مگر جب اس سے حسب خواہشات کام نہ چل سکا تو اسے قتل کر دیا اور ببرک کارمل کو لے آئے جس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ امریکا کا جاسوس یا پٹھو ہے اور جو کل تک جاسوس تھا وہ قائد انقلاب ہو گیا اور جو اب تک وفادار حکومت تھا وہ باغی ہو گیا، یہ عجیب مضحکہ خیز تضاد ہے۔

دنیا اور ہر امن پسند ملک نے یہ سمجھ لیا ہے کہ روس سے دوستی کے معنی کھلی جارحیت کی دعوت ہے اس وقت تک ۵ لاکھ افغانی شہید ہو چکے ہیں اور ۲۰ لاکھ دوسرے ملک میں بے خانماں ہیں۔

آپ نے افغانی قوم کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ یہ قوم جہاد کے ذریعہ کامیاب ہوئی اور جہان کو ایک پیغام دیا اور جہاں پر واضح کر دیا کہ شیوعیت سے دوستی کا کیا مطلب ہوتا ہے۔

آپ نے اس ضمن میں ماسکو اولمپک اور امریکی گیہوں کا ذکر کیا کہ کس طرح کچھ ملکوں نے اپنے کو طفل تسلی دے کر اس میں شرکت کی اور کھیل کو سیاست سے الگ تسلیم کرتے ہوئے حصہ لیا اسی طرح امریکی گیہوں پر پابندی اور پھر دوسرے راستے سے ترسیل بڑی طاقتوں کی اس مسئلہ پر بے حسی کا کھلا ثبوت ہے، اس ضمن میں آپ نے امریکی یرغمالیوں کا ذکر کیا کہ کس طرح امریکہ نے اس مسئلہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ہر شخص کو سوچنے پر مجبور کیا۔

آپ نے اپنی تقریر میں مصر کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ مصر کو اسرائیل سے تعلقات قائم کرنے کی بنا پر اسلامی ممالک نے اس سے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے اور اس کا بائیکاٹ کیا مگر ایک بڑے ملک نے ایک قوم ایک ملک پر قبضہ کر لیا تو اس سے تعلقات نہیں منقطع کئے؟

آخر میں آپ افغانی مسئلہ کے سیاسی پہلو پر بولتے ہوئے فرمایا کہ روس افغانستان کو دوسری مسلح جمہوریتوں میں ملائے گا جن پر روس نے نصف صدی قبل قبضہ کر لیا تھا جیسے تاجکستان، ازبکستان، ترکستان، تاکہ وہ ایک جمہوریہ افغانستان کے نام سے قائم کرے لیکن میں اس پر یقین رکھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ روس افغانستان کو جب دوسری اسلامی جمہوریتوں کے ساتھ ملائے گا تو وہ ۵ کروڑ محکوم و مظلوم کے ساتھ ۱۷ لاکھ مجاہدین کو بھی ملائے گا اور اگر افغانستان کسی دوسری جمہوریت میں شامل ہو جائے گا تو جذبۂ جہاد دوسری اسلامی جمہوریتوں میں منتقل کرنے کا ایک بہترین وسیلہ بنے گا اور ایک چنگاری روس کو خاکستر کر دے گی۔

سوویت روس چاہتا ہے کہ افغانستان ایک علاحدہ ملک رہے جیسے منغولیا۔ وہ افغانستان کو منغولستان بنانا چاہتا ہے نہ کہ ازبکستان، ترکستان، تاجکستان اور اللہ چاہا تو یہ ہماری قوم کامیاب ہوگی اور روسی افواج واپس جائیں گی اور افغانیوں کو اپنا حق ملے گا اور آزادی و خود مختاری حاصل ہو جائے گی۔

روس سے دوستی کے معنی کھلی جارحیت کی دعوت ہے

عبدالستار سیرت

نواب چھتاری سے ندوہ کو بعض اہم کاموں میں مدد ملی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر اور ملک کی ممتاز شخصیت، چھتاری کے نواب محمد احمد سعید خاں کے انتقال پر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعزیتی جلسہ ہوا جسے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے خطاب کیا اور گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور مرحوم کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

نواب صاحب کی تعزیت میں جو جلسہ ہوا وہ اسی مسجد میں ہوا جس کا سنگ بنیاد نواب صاحب نے رکھا تھا۔

مولانا نے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نواب صاحب جس ماحول اور جن روایات اور جس خصوصیات کے ساختہ و پرداختہ تھے وہ روایات عرصہ ہوا سرد ہو چکی ہیں یا دم توڑ رہی ہیں۔ نواب صاحب اس دور کے یادگار اور ایک ممتاز شخص تھے۔ ان صفات و کمالات اور خوبیوں کا دوسری شخصیت کا پیدا ہونا بظاہر مشکل معلوم دیتا ہے۔

نواب صاحب کا تعلق خالص راجپوتوں کی نومسلم شاخ سے تھا۔ ان کے مورث اعلا نے غالباً جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں حضرت مجددؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ ان باتوں کا اظہار نواب صاحب نے اس وقت کیا جب میں نے ان کو "تاریخ دعوت و عزیمت" کی چوتھی جلد جو مجدد الف ثانی پر ہے بھیجی۔ اس کے مطالعہ کے بعد نواب صاحب نے جو خط تحریر فرمایا اس میں ان باتوں کا ذکر تھا۔ یہ باتیں دوسرے ذرائع سے بھی معلوم ہوئیں۔ مولانا نے بتایا کہ کہ نواب صاحب ایک اچھی ریاست کے مالک اور نواب تھے۔ ان کے دادا نواب محمود علی خاں کا نام یاد آتا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے تربیت یافتہ رہ چکے ہیں جب حضرت حاجی صاحب نے ہندوستان سے ہجرت کی تو آپ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حاجی صاحب نے آپ کو ہندوستان بھیجا اور فرمایا اپنے پوتے نواب سعید احمد خاں کی تربیت اور پرورش زیادہ اہم ہے آپ ہندوستان جائیے۔ حاجی صاحب کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ نواب صاحب نے قرآن مجید حفظ کیا اور ہر سال رمضان میں تراویح سناتے تھے۔ شاید ادھر دو یا تین سال سے اس معمول میں فرق آگیا تھا۔

مولانا نے بتایا کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ جب وہ یوپی کے گورنر تھے اور میرے علم کی حد تک اس زمانے کے واحد مسلمان گورنر تھے۔ گورنمنٹ ہاؤس میں قرآن مجید پڑھتے تھے اور سناتے تھے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ نے "صدق" یا "سچ" میں حافظ گورنر کے نام سے نواب صاحب کے متعلق نوٹ بھی تحریر کیا تھا اور جہاں تک مجھے یاد آتا ہے کہ نواب صاحب لندن میں جہاں وہ کئی بار گئے وہاں بھی قرآن مجید سنایا اور اپنے معمولات میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔

مولانا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نواب صاحب کو دنیاوی وجاہت بھی عطا کی تھی۔ میں نے ان کو اپنی معلومات و مشاہدہ کی حد تک شرفاء و امراء کے لباس میں دیکھا جو ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ وہ عقائد کے لحاظ سے علماء دیوبند سے قریب تھے اور عقیدت رکھتے تھے وہ بہت سے اہم عہدوں پر فائز ہوئے جن میں یوپی کی گورنری اور حیدرآباد کی عظیم نیم خود مختار ریاست کی صدارت عظمیٰ (وزارت عظمیٰ) ہے — اور ان کو خطاب بھی ملا۔ ان سے ندوۃ العلماء کے کاموں میں بھی بعض اہم موقعوں پر بڑی مدد ملی۔ آخر عمر میں وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جوان کی مادر علمی تھی چانسلر رہے۔ انھوں نے علی گڑھ ہی میں پڑھا اور اس ادارے سے ان کا قلبی تعلق تھا نواب صاحب ایک کریم النفس، شریف النفس اور باہمت مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ اہل قلم بھی تھے۔

ندوۃ العلماء کی عالیشان مسجد جس کا افتتاح نواب چھتاری نے کیا تھا

انھوں نے اپنی آپ بیتی "یاد ایام" کے نام سے تین جلدوں میں لکھی ہے میں نے تو صرف پہلی جلد پڑھی ہے مگر جیسا کہ نواب عبیدالرحمٰن شروانی نے چند روز پہلے اطلاع دی کہ وہ نواب صاحب کی آپ بیتی کی تیسری جلد کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ نواب صاحب طبقۂ امراء سے منسلک ہوتے ہوئے بھی ایسی خصوصیات کے حامل تھے جس کی مثال طبقۂ علماء میں بھی ملنی مشکل ہے وہ دل کے غنی تھے۔

مولانا نے بتایا کہ یہ مسجد جہاں یہ جلسہ ہو رہا ہے اس کا افتتاح نواب صاحب ہی نے کیا تھا۔ غالباً ۳۲ء کا زمانہ ہے اس وقت کے ندوہ کے ذمہ دار حضرات جن میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود علی ندوی اور ڈاکٹر عبدالعلی صاحب پیش پیش تھے۔ ان لوگوں کے مابین یہ طے پایا کہ نواب صدر یار جنگ جمعہ کی نماز پڑھائیں اور تقریر کریں اور افتتاحی تقریبات ایک مسلمان حافظ گورنر کے ذریعے ہو۔ آج بھی ان کے نام کا پتھر مسجد کے جنوبی کونے پر نصب ہے۔

جب اس مسجد کی توسیع کا کام شروع ہوا تو میں نے نواب صاحب سے کہا کہ جس مسجد کا آپ نے افتتاح کیا تھا اس کی توسیع ہو رہی ہے یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

نواب صاحب کا ندوہ اور اصحاب ندوہ سے بہت قریبی تعلق تھا اور ۹۴ سال کے ہونے کے باوجود وہ ہر کام میں خود سبقت کرنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ کے مصداق تھے۔

آخر میں حضرت مولانا نے نواب صاحب کے لئے دعائے مغفرت کی اور نماز مغرب کے بعد قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔

بقیہ صفحہ ۱۲

ایمان کی نشانی ہے۔"

اسلام ایک منظم دین ہے نظم سکھاتا ہے، تنظیم کی تعلیم دیتا ہے اور تنظیم ہی سے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ نظم کا تو یہ حال ہے کہ ابھی ایک لمحہ پیشتر کھانا اجر و ثواب تھا۔ میزان قیامت میں حسنات کے ساتھ تولا جا رہا تھا اب حرام ہو گیا۔ یہ سحری تھی افطار میں ابھی ایک سکنڈ پہلے حرام تھا اب عین ثواب بن گیا یہی حال نماز کا ہے ابھی ایک بج کر دس منٹ تک سجدہ حرام تھا اب سوئی گیارہ پر آئی سجدہ عبادت بن گیا۔ ابھی باون تولہ میں ایک ماشہ کی کمی تھی انسان فقیر تھا باون تولہ پورے ہو گئے امیر ہو گیا زکوٰۃ فرض ہو گئی۔ ابھی اخراجات میں ایک روپیہ کی کمی تھی حج نفل تھا ایک روپیہ آگیا حج فرض ہو گیا۔ یہی کیفیت سارے احکام و اوامر کی ہے اور یہ سب زندگی کو خوبصورت بنانے کے لئے ہیں۔ ہاں سب سے خوبصورت اور سب سے حسین و جمیل انسان اللہ کے نزدیک وہ ہے جس کا جسم زخموں سے چور ہو، بدن سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہوں، کپڑے خون میں لت پت ہوں اور دنیا کے حسین ترین نظام زندگی کی مدافعت میں اس کی گردن کاٹی گئی ہو۔

●●

تہذیب و سلیقہ
اور
اسلامی عبادات

از: الحاج محمد جلیل فضل کریم۔ ریاض

مالک کی ایک قدرتی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بچہ خوبصورت بھی ہو، وہ اس کو چاند تو اس لئے کہتی ہے کہ اس کی نظر میں وہ چاند ہوتا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ چاہتی ہے کہ دوسروں کو بھی وہ چاند نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ بھی ہر بندے کو چاند دیکھنا اور چاند دکھانا چاہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو بہترین خلائق ہیں ان کو "قمر منیرا" (چودھویں کا چاند) کے نام سے یاد فرمایا اور انہی کو سارے عالم کے لئے اسوہ بنایا۔ ایک طرف انسان کو "احسن تقویم" بہترین نقشہ کے ساتھ پیدا فرماتے ہیں دوسری جانب چاہتے ہیں کہ بہترین منظر کے ساتھ قائم رہے بدصورتی نہ چہرہ میں پسند نہ لباس میں پسند نہ چال میں پسند نہ ماحول میں پسند نہ حالات میں پسند، یعنی باطن کو خوبصورت بنانا تو اصل اسلام ہے۔ اس کے مقابلہ میں ظاہر کوئی چیز نہیں لیکن خواہش یہ ہے ظاہر میں بھی دل کشی ہو یا کم سے کم بدنمائی اور بدزیبتی نہ پیدا ہو۔ بچوں کو مارنے میں تنبیہ فرمائی کہ "چہرہ پر ہرگز نہ مارنا"۔ شریف ترین حصہ ہے اور اس پر چوٹ آئی تو بدنمائی زیادہ ہوگی۔

سفرِ ہجرت میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کے لئے دودھ لانا چاہتے ہیں، پہلے بکری کے تھنوں کو دھوتے ہیں پھر برتن کو دھوتے ہیں۔ پھر جب لاتے ہیں تو برتن کو کپڑے سے ڈھک کر لاتے ہیں۔ جب لانے میں یہ خوبصورتی ہے تو پیش کرنے میں خدا معلوم کتنی خوبصورتی ہوتی ہوگی۔ ع

اور پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

نماز سے زیادہ اہم تو کوئی چیز نہیں۔ ایک طرف صف اوّل کا ثواب دوسری جانب تکبیر اولیٰ کا ثواب، لکھا ہے کہ پہلی رکعت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ ایک آدمی جاگتا ہوا جارہا ہے حضور کو پسند نہیں۔ اس عمل میں خوبصورتی نہیں فرمایا "الوقار الوقار" وقار کے ساتھ چلو۔ جتنی نماز مل جائے مل جائے جو باقی رہ جائے پوری کرلو، بھاگ دوڑ حالانکہ نماز کے لئے تھی مگر اس میں بدصورتی ہے بدنمائی ہے اور ہم باوقار لوگ ہیں، ہماری قوم باوقار بنائی گئی ہے، اللہ کو پسند نہیں کہ ان کا کوئی بندہ کسی وقت بھی وقار سے خالی ہو، بہت سی چیزیں ہیں جو فرض نہیں کی گئیں لیکن ترغیب دی گئی، تعلیم دی گئی مثلاً

ناخون بڑھنے نہ پائیں ـــــ گندگی کے علاوہ بدنمائی۔

مونچھیں بڑھنے نہ پائیں ـــــ گندگی کے علاوہ بدنمائی۔

داڑھی بے ڈھنگی نہ ہو ـــــ بدنمائی ہے۔

تیل لگایا جائے ـــــ ورنہ بدنما ہوجائیں گے بال۔

کنگھے کی کثرت کی جائے ـــــ بالوں میں حسن پیدا ہوگا۔

سر پر بال رکھے ہیں تو اُن کا حق بھی ادا کرنا ہے لباس میں پسندیدہ "سفید" ہے۔ شدید البیاض۔ بہت سفید چاند کی طرح چمکتا ہوا اس کی مصلحت یہ بھی ہے کہ دھبہ کو چھپاتا نہیں فوراً اعلان کردیتا ہے ایک آدمی کو دیکھا کہ وسعت اور گنجائش کے باوجود اپنی ہیئت خراب کئے ہوئے ہے بہت ناگوار ہوا کھایا اللہ نے تنگ حال نہیں بنایا تو اس کی ناشکری کیوں کرتے ہو، ظاہر کو بہتر بناؤ، سلام ہو کر اللہ نے تمیں نعمت دی ہے۔

خوشبو کا اس درجہ اہتمام کہ جس راہ سے گزر جائے راستے معطر ہوجاتے لوگ پہچان لیتے، ہو نہ ہو حضورؐ اس جانب سے گئے ہیں۔

ع ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

کہے دیتی ہے خوشبو اس ہوا کی

نماز میں صفوں کا کتنا اہتمام ہے اس کی کمی کو دل کی کجی قرار دیا، فرمایا صفیں سیدھی نہیں کروگے تو دلوں میں پھوٹ ڈال دی جائیگی۔ تیروں کی نوک سے صفوں کو سیدھا فرمانے کا حکم دیا۔ پھر اس کی تاکید کہ درمیان میں کہیں کوئی جگہ خالی نہ چھوڑی جائے، صفیں بدوضع معلوم ہوتی ہیں خوبصورتی نہیں پیدا ہوتی۔

ہم آج بے ڈھنگے لوگ ہیں بے ترتیب ہیں بے سلیقہ ہیں۔ ہر جگہ ہر کام میں ہر معاملہ میں۔ یہ ظلم ہے اور ہم سب ظالم ہیں ظلم کے کیا معنی ہیں، ایک چیز کو اس کی جگہ کے خلاف کہیں رکھنا ظلم ہے۔ آج ہمارا شعار ہی ظلم ہے ہمارا وطیرہ ہی ظلم ہے۔

ایک چیز ڈھنگ سے رکھی جاسکتی ہے۔ نہیں رکھی۔ بے ڈھنگے پن سے ڈال دی ظلم ہے۔ ایک چیز ترتیب سے سلیقہ سے رکھی جاسکتی ہے نہیں رکھی ظلم ہے۔ ایک بات خوبصورتی سے کہی جاسکتی ہے نہیں کہی گئی ظلم ہے۔ مکان، دوکان، کمرہ، مطبخ، حمام، دروازہ، دہلیز، گلی، اسٹرک، راستہ، بستر، میز، کرسی، کرتا، ٹوپی، جوتی، کھانا، دسترخوان، برتن، اگر ان میں آپ کی جانب سے کوئی سلیقہ پیدا ہوسکتا ہے کوئی خوبصورتی پیدا کی جاسکتی ہے اور آپ نے نہیں کی تو ظلم کیا۔ دروازہ پر کوڑا پھینک دینے کو بھی یہودیوں کا فعل بتایا گیا ہے۔ ایک بار حضورؐ نے لباس وغیرہ کی صفائی ستھرائی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا،

"اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ"

(اللہ تعالیٰ خوبصورت ہیں اور خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں)۔

اور خود غور فرمائیں کائنات پر۔ اللہ نے ساری کائنات خوبصورت بنائی ہے، چاند، سورج، آسمان، ستارے ان کو تو چھوڑو، خالی پھل پھول دیکھو، سیب کی ایک طبعی خاصیت ہے۔ اس خاصیت ہی کے لئے بنایا گیا اور آم کی بجائے سیب نام پایا لیکن اس خاصیت کے لئے لذت اور اس رنگ روغن کی بھی ضرورت تھی اور اس میں خوشبو بھر دینے کی بھی ضرورت تھی مگر نہیں یہ اس کے اپنے جمال کا تقاضا ہے جو چیز پیدا کی جائے اپنے باطنی جمال کے ساتھ ظاہری حسن اور دل کشی بھی اس میں موجود ہو۔ ہمارے استاد ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صفائی ستھرائی نفاست، طہارت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ قرآن پاک میں سب سے پہلا حکم صفائی کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

"وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ"

(اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف کرو)

نماز بھی خوبصورتی کے بغیر قبول نہیں کی جاتی۔ یعنی ظاہری خوبصورتی کے بغیر ایک شخص نے نماز پڑھی حضورؐ نے فرمایا پھر پڑھ نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھی فرمایا پھر پڑھ نماز نہیں ہوئی۔ اب اس نے عرض کیا حضور مجھ سے تو ایسی آتی ہے۔ ارشاد فرمائیں کیسے پڑھوں؟ فرمایا جب کھڑے ہو اطمینان سے کھڑے ہو۔ رکوع میں جاؤ تو اطمینان سے رکوع کرو اس کے بعد قومہ میں کھڑے ہو تو اطمینان سے تا آنکہ بدن کے سارے جوڑ اپنی جگہ صحیح ہوجائیں اس کے بعد سجدہ میں جاؤ اور نہایت اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو۔ سجدہ کے بعد جلسہ میں بیٹھو اور اطمینان کے ساتھ بیٹھو پھر دوسرا سجدہ کرو۔ نماز میں بھی خوبصورتی ہو، حُسن ہو، جمال ہو، رکوع کے بارے میں تو فرمایا کہ اتنی سیدھی رکھو کہ اگر پانی کا بھرا پیالہ کمر پر رکھ دیا جائے تو پانی چھلکے نہیں۔ سجدہ میں انگلیاں باہم ملی رہیں رکوع میں کھلی رہیں۔

قرآن میں ایک آیت ہے "خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ"۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ "نماز کے لئے اچھا لباس پہن کر جاؤ"۔ یعنی جس طرح ایک آدمی کہیں آنے جانے کے لئے اپنے کو معقول صورت بناتا ہے اسی طرح ہر نماز میں بھی اہتمام کرے بے پرواہی سے کام نہ لے مگر اس خوبصورتی کے مسئلہ میں ایک بنیادی بات یاد رکھنی چاہیے کہ ظاہر کی خوبصورتی ایک ثانوی چیز ہے، علاوہ نماز کے ارکان کے اصل کام ہے مسلمان سپاہی ہو، سپاہی کی طرح اس کو رہنا ہے۔ زینت و زیبائش میں وقت ضائع کرنا مقصود نہیں، اسلام کی زندگی سادہ زندگی ہے، سادگی اس کا جمال ہے، ہاں بے پرواہی لاابالی پن اور کاہلی جائز نہیں۔ عربی کا مقولہ ہے "غبارا لعمل خیرٌ من زعفران العذل"، کام کی خاک دھول بیکاری کے زعفران سے اچھی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے خود فرمایا ہے "البذاذۃ من الایمان"۔ "سادگی

(بقیہ ص ۱۱ پر)

رحمتِ عالم[1] صلی اللہ علیہ وسلم

سعیدہ خاتون، پرنسپل بیگم لاری مسلم گرلس ہائی اسکول، ایک آنہ فنڈ۔ لکھنؤ

انسانوں کی اصلاح کے لئے ہر خطۂ زمین پر، ہر ملک اور ہر زمانے میں سیکڑوں نہیں لاکھوں کی تعداد میں مصلح آئے، ہادی آئے۔ نبی آئے پیغمبر آئے، مگر جو بھی آیا ایک محدود وقت کے لئے آیا، ایک محدود علاقہ کے لئے آیا، ایک محدود شریعت کے لئے آیا۔

انھوں نے کبھی یہ اعلان نہیں کیا کہ وہ سارے انسانوں کی اصلاح کے لئے آئے ہیں، کسی نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ہر ملک اور ہر زمانے کے لئے آئے ہیں۔

کسی نے کہا کہ وہ بنی اسرائیل کی گمشدہ مظلوم بھیڑوں کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دلانے آیا ہے، اور اس آنے والے نے صرف اس ایک کام کے سوا باقی دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

کسی نے اپنے ڈھائی سالہ دورِ نبوت کا اختتام ان الفاظ پر کیا کہ "میرا جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے کہ آنے والا میرے جانے کے بغیر نہ آئے گا"۔

اور کیا اسی ایک جانے والے نے "آنے والے" کی پیشین گوئی کی، نہیں نہیں ہر جانے والے نے اُس "آکر نہ جانے والے" کی آمد کی اطلاع اپنی قوم کو دی۔

اگر مغرب میں حضرت عیسیٰؑ نے وہ کہا جو اوپر مذکور ہے تو شرق میں ہمارا بدھ نے اپنی زندگی کی آخری سانس لیتے ہوئے اپنے شاگرد اور مخلص خادم نندہ سے یہ کہا۔

"نندہ"! میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا، نہ آخری بدھ ہوں اپنے وقت پر دنیا میں ایک بدھ اور آئے گا وہ میتریا کے نام سے موسوم ہوگا اور "میتریا" کے معنی ہیں،

"وہ جس کا نام رحمت ہے"۔

اور وہ میتریا رحمۃ للعالمینؐ کے سوا کون ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:۔

"خدا سینا سے نکلا، سیر سے چمکا، اور فاران ہی کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ۔

(پیدائش باب ۱۷ - ۲)

اور فاران کی چوٹیوں سے چمکنے والا وہ نور مجسم سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کون ہے۔

حضرت داؤدؑ کی "زبور" میں تحریر ہے:۔

"مبارک ہیں وہ تیرے گھر میں بسنے والے وہ سدا تیری حمد کریں گے وہ بکہ سے گزرتے ہوئے ایک کنواں بناتے ہوئے"۔

(زبور باب ۸۴)

اور بکہ کیا موجودہ مکہ نہیں اور کنواں کیا چاہ زمزم نہیں؟

اور پھر سب سے بڑھ کر نام نامی کی تشریح کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کا یہ قول بائبل میں منقول ہے:۔

"خلو محبوبم زہ دودی زہ رعی"۔

(تسبیحات سلیمان پ ۵ - ۱۲)

اور کیا اس کا ترجمہ نہیں "وہ ٹھیک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں وہ میرے محبوب ہیں میری جان ہیں"۔ !

اور پھر ان سب کے جد اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا،

"وہ عربی ہوگا اُس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اُس کے خلاف ہوگا"۔

(بائبل۔ پیدائش باب ۱۶ - ۱۲)

اور کیا یہ اُس نبی اُمّی و عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع نہیں۔

وہ آنے والا آیا۔ پیغمبر کی دعا اور انبیاء کی پیشین گوئیوں کے مطابق آیا اور اُس ملک اور اُس نسل میں آیا جس کو محکومیت کی لعنت نے کبھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ انھیں آزاد گھرانوں میں سے اٹھا اور انسانیت کو آزادی دلانے کے وعدہ کے ساتھ اُٹھا۔ وہ کشمیر کی گل پوش پہاڑیوں، سوئزرلینڈ کی نزہت انگیز وادیوں اور شام کے پھلدار باغوں میں نہیں پیدا کیا گیا۔

بلکہ اُس زمین پر جو عقیم و بانجھ تھی، جلے ہوئے پہاڑوں سے گھری، جھلسا دینے والی تپتی ریت پر اور وادی "غیر ذی زرع" میں جو بن کھیتی کا بیابان ہے، لیکن وہ آیا ہی اس لئے تھا کہ ریگ زاروں کو نخلستان کرے۔ بیابانوں کو آباد کرے پیاسی انسانیت کو سیراب کرے۔ یتیموں، مظلوموں کی دادرسی کرے۔ اور انسانوں کو معبودانِ باطل کی غلامی سے آزاد کرے۔

اور جس کے لئے بائبل میں تحریر ہے کہ "وہ امین و صادق کہلاتا ہے اور اسکا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ (مکاشفہ یوحنا باب ۱۹ - ۱۱)

وہی صدق و امانت کا آفتاب فاران کے دامن سے اُبھرا اور کائنات اس کے نور سے منور ہوگئی۔

لیکن جن کے پاس وہ آیا تھا انھوں نے اس کو کب پہچانا، وہ تو یہ سمجھے کہ یہ سب حصولِ جاہ و سلطنت کے لئے ہے۔ شاید زر، زن، زمین کی لالچ کے لئے ہے اسلئے وہ زر کے دوڑے، زمین کیلئے دوڑے، زن کے دوڑے، لیکن ان کو مایوس لوٹنا پڑا، ان کو یہ پیغمبرانہ جواب دیا گیا:۔

"خدا کی قسم میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب اگر اس کے لئے رکھ دیا جائے کہ میں اس امر کو ہاتھ سے چھوڑ دوں تو یہ نہیں ہوسکتا"۔

اور صاف لفظوں میں اعلان کردیا:۔

"یہ کام پورا ہوگا یا میں اس میں مَر جاؤں گا"۔

"أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ" (یا میں اس میں مَر جاؤں گا یا مارا جاؤں گا) یہی مطلب تھا۔

سنگ دل، سیاہ سینہ والوں نے جب اس حربہ کو ناکام دیکھا تو ایذائی ٹھوکوں کا آغاز کیا۔ عزت پر، آبرو پر، جسم پر، جان پر۔ حملوں کی کوئی قسم تھی جس کو انھوں نے باقی چھوڑا یقیناً ان کے ترکش میں کوئی تیر ایسا نہ تھا جو چلنے سے رہ گیا ہو، نکاحی بیٹیوں کو طلاق دلوائی گئی، سر پر خاک ڈالی گئی، راہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ پشت پر غلاظت سے بھری اوجھ نماز کی حالت میں رکھی گئی۔ چہرۂ مبارک پر تھوکا گیا، گردن مبارک میں پھندا لگایا گیا۔ اور آخر میں کھانا بند کیا گیا، پانی بند کیا گیا۔ ایک ماہ دو ماہ نہیں پورے تین سال شعب ابی طالب میں محصور رکھا گیا۔

اب جب وہ مکہ سے نکل کر طائف میں گیا تو اس کو پتھر مارے گئے۔ گھٹنے چور کئے گئے، معصوم خون سے کپڑے لال ہوگئے۔ خون کے گوندے ہاں اُسی کے معصوم خون کے گوندے اس کی جوتیاں پیروں سے چپک گئیں۔ خلاصہ یہ کہ طائف میں وہ پیش آیا جو کہیں نہیں پیش آیا تھا۔

اس لئے کہ جب پوچھنے والوں نے پوچھا، "ھل اتی علیک یوم کان اشد علیک من أحد" (کیا آپ پر اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن آیا) تو جس پر گزری تھی اس نے طائف کو پیش کیا۔

کان اشد ما لقیت منھم یوم العقبۃ اذ عرضت نفسی علی ابن عبد یالیل (سب سے زیادہ اذیت اُن سے (نہ ماننے والوں سے) مجھے اُس دن طائف کی گھاٹی میں پہونچی جس دن میں نے عبد یالیل کے بیٹے پر اپنے آپ کو پیش کیا)۔

جو کچھ وہ کرسکتے تھے سب کرلیا گیا اس کے آگے کیا کچھ اور بھی سوچا جاسکتا ہے جیسے دنیا نے کبھی زندگی کے ان سالوں میں مسلسل، تابڑ توڑ، پیہم "صدق" و "دیانت" کے اس بے نظیر سرچشمہ کے ساتھ ہوتے ہوئے دیکھا۔

اور پھر جب وہ طائف سے لوٹا تو جبرئیل امین نے حاضر ہوکر عرض کیا "قد بعث الیک ملک الجبال"۔ "اللہ نے آپ کے پاس ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتہ) کو بھیجا ہے اور ملک الجبال سلام عرض کرکے فرمان طلب کرتا ہے" "یا محمد ذالک لک" (اے محمدؐ! آپ کو پورا اختیار ہے) کیا ان پر (طائف کے پتھر مارنے والوں پر) دونوں پہاڑوں (جن سے طائف محصور ہے) اُلٹ دوں؟ اس کے جواب میں اُس رحمتِ عالم نے کیا کہا؟

اُسی تاریخ نے جس نے نوحؑ کے طوفان عاد کی آندھی، ثمود کے صیحہ (چیخ) شعیبؑ کے

(سعیدہ خاتون)

[1] مندرجہ ذیل مضمون حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی کتاب "النبی الخاتم" کے استفادہ سے لکھا گیا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ یہ اُس کتاب کی مختصر تلخیص ہے۔

رجفہ (زلزلہ) موسیٰؑ کے دریا کے واقعات کو محفوظ رکھا ہے۔

اُسی تاریخ نے اپنے سینے پر اس جواب کو بھی سنہرے حروف سے لکھ رکھا ہے:

"میں مایوس نہیں ہوں کہ ان کی پُشت سے ایسی نسلیں نکلیں جو اللہ ہی کی پوجا کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ بنائیں"۔

نماز فجر ادا کرتے ہوئے قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ تو میں نہیں کہتی خود قرآن کہتا ہے،

"صرفنا الیک نفراً من الجن یستمعون القرآن" (ہم نے تیری طرف جنوں کی ایک ٹولی پھیری تاکہ وہ قرآن سُنیں)۔

اور سُن کر وہ بولے" انا سمعنا قرآناً عجباً یھدی الی الرشد (ہم نے پڑھنے کی ایک عجیب چیز سُنی جو سوجھ کی راہ بتاتی ہے)۔

اور وہ پکار اٹھے" آمنا بہ (ہم نے اس کو مان لیا)۔

ان ایمان لانے والے جنوں کو اسلام کی اشاعت کے لئے دوسرے گروہوں کی طرف روانہ کر کے وہ "نبی رحمت" صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف لوٹتا ہے۔

رات کا وقت ہے، منیٰ کا میدان ہے، چاند کی روشنی میں، اونٹوں کے درمیان قبائل کے خیمے چمک رہے ہیں۔ قریب آتے ہیں پوچھتے ہیں۔

"من انتم" (تم لوگ کون ہو؟)

جواب ملتا ہے" من الخزرج" (ہم خزرج قبیلہ کے لوگ ہیں)۔ فرمایا جاتا ہے

"یا ایھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا" (لوگو! بولو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، بامراد ہو جاؤ گے)۔

یہ چھ انسان تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا، نصرت و امداد کی آواز بلند کی اور جریدۂ عالم پر اُن کا نام "انصار" ثبت ہو گیا۔

اور مکہ والوں نے جب یہ سُنا تو جمہوریۂ قریش کا وہ منحوس و مشہور ریزولیشن پاس ہو گیا۔ اب مکہ کے ہر گھر کے سورما کھڑے ہیں۔ ایک مختصر سے گھر کے دروازے پر گھیرا باندھے کھڑے ہیں جو آگ سے ان کی جانیں بچانے کے لئے آیا ہے، اُسی کی جان لینے کے درپے ہیں۔

اُس کی جان تو خیر اس کے قدموں کی خاک بھی اپنے ہاتھوں سے سر پر نہیں ڈال سکے جب تک وہی نہ ڈال دے۔

جاگ رہے تھے لیکن حواس کام نہیں کر رہے تھے، دیکھ رہے تھے لیکن سوجھتا نہیں تھا، ننگی تلواروں کے سائے سے نکلے۔ "صدیق" سا "رفیق" ساتھ ہے مکہ سے باہر آئے۔ کوہِ حرا اور کوہِ ثور نے پکارا" الیّ یا رسول اللہ" (میری طرف تشریف لائیے اے اللہ کے رسولؐ) غار ثور کو یہ سعادت نصیب ہوئی جو اب تک محروم تھا وہی مسعود ہوا۔ اور دیکھنے والوں نے دیکھا۔ ہرے بھرے درختوں کی ڈالیاں سربسجود ہوئیں۔ پرندے محو نیاز و مصروف کار ہوئے، مکڑیوں نے جالا تانا۔ حماموں (کبوتروں) نے انڈے دیے۔ سانپ اور اس کا زہر لعاب دہن سے دور ہوا۔

زمین اس کے اشارے پر "سراقہ" کے گھوڑے کی ٹانگوں کو نگل لیتی ہے۔ اُس کا گھوڑا دھنس جاتا ہے۔ ہنستے ہوئے امان عطا فرمانے کے بعد اُسی سے کہا جاتا ہے جو جان لینے آیا ہے "کیف بک اذا لبست سواری کسریٰ" (سراقہ تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا۔ ام معبد کے خیمے کے گزر اور بانجھ بکریوں کے تھن دودھ سے بھرے جاتے ہیں۔

اسی طرح منزلیں طے ہوتی رہیں۔ اونٹنی کے قدم بڑھتے گئے۔ بے زبان اونٹنی اُس مقام کو پہچانتی ہے جہاں اس "رحمت عالم" کو اترنا ہے اور جہاں اترنے کے بعد پھر خیر ہی ملنا ہے آنے والا آیا اور اُس کے قدموں کی برکت سے "یثرب" "مدینہ" ہو گیا۔ اور مدینہ ایمان سے بھر گیا۔ اور مدینہ پہونچ کر سب سے پہلا کام کھجور کی شاخوں، تنوں اور پتوں، پتھر اور کچھ اینٹوں سے ایک مسجد بنائی گئی اور ایک "صفہ" کا مدرسہ بنایا گیا۔ اس لئے کہ مسجد ہی اسلام کی منبع ہے اور اسلامی آبادی بناتے ہوئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس منبع کو گاڑ دے جہاں وہ آباد ہوتا ہے اور ہر مسجد کے ساتھ مدرسہ ہو اس لئے کہ "علم دین" ہے اور "دین علم" ہے۔ عملاً اس نمونہ سے اس کی تعلیم دی گئی ہے اور سلیمانؑ و داؤدؑ، اسحاقؑ و اسمٰعیلؑ کے باپ حضرت ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے کعبہ کو قبلہ ٹھہرایا گیا اور پھر اس کو وسعت دے کر فرمایا گیا" جعلت لی الارض مسجداً" پوری دنیا میری مسجد بنائی گئی ہے اور اس طرح "وطنیت" کے اُس صنم اکبر کو توڑا جس میں ساری دنیا مبتلا تھی۔

اور عقد مؤاخاۃ کرا کر کعبہ کے کلید برداروں اور قریشی نسل کے ساہوکاروں اور انصار کے قبیلہ اوس و خزرج کے کاشتکاروں اور کسانوں کو بھائی بھائی بنا دیا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل نسبی فخر و غرور کی بنا پر جو اپنے کو سب سے برتر و اعلیٰ مانتے تھے اور دوسروں کو گھوڑے اور بیل کی نسل سے گردانتے تھے۔ وہی قریشی سرداران انصاری کسانوں کے آگے جھکے ہوئے ہیں وہ ان کے ہاتھ چومتا ہے بر ان کے قدم لیتا ہے، بلکہ تم نے سُنا ہوگا کہ طلاق دے کر ایک بیوی تک دینے پر اصرار کرتا ہے۔ اور دوسرا شکریے کے ساتھ انکار کرتا ہے۔

اور اس طرح قومیت، نسل و رنگ کے دیوتا کو چور چور کر دیا جاتا ہے۔ اب دنیا ایک ہے، اُس کا معبود ایک ہے، اُن کا رسول ایک ہے، اُن کی کتاب ایک ہے، ان کا کعبہ ایک ہے۔ اور یہ اعلان کڑک کڑک کر گرج گرج کر مساجد کے بلند میناروں سے جنگلوں میں، میدانوں میں وادیوں میں، کہساروں میں، صحراؤں میں، مرغزاروں میں، پکارنے والے مشرق میں مغرب میں، شمال میں جنوب میں زمین کے آخری کناروں تک پکار رہے ہیں۔

ایک طرف یہ کہا جا رہا ہے اور دوسری طرف سارا عرب ایک کمان بن کر اس تحریک اور تحریک والوں کو نشانہ بنائے ہوئے ہے، ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔

یہود اس کساد بازاری سے گھبرا کر اُن تمام قلعوں اور قلعہ والوں کو مخالفت کے نقطہ پر جمع کر رہے ہیں جن کا سلسلہ مدینہ سے شروع ہو کر شام کی حدود تک پھیلا ہوا ہے وقت کی سب سے بڑی طاقتیں مشرق میں ایران اور مغرب میں روم مدینہ کو برباد کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں، رومیوں کے گھوڑے مدینہ سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر غسانیوں کے حدود میں ہنہنا رہے ہیں اور کسریٰ کے چپراسی یمن کے گورنر بازان کے توسط سے مدینہ پہنچ کر دھمکا رہے ہیں کہ مدینہ کے کسانوں کے سردار کو گرفتار کر کے دربار شاہی میں حاضر کیا جائے۔ غرضیکہ سارا عرب ایک کمان بن کر اُس سے ٹکرایا۔ وہ "بدر" میں ٹکرائے۔ "احد" میں ٹکرائے، "احزاب" میں ٹکرائے مگر جس کے لئے کہا گیا تھا کہ،

"جو اس پر گرتا ہے چور چور ہو جاتا ہے اور جس پر وہ گرتا ہے اس کو چور چور کر دیتا ہے"۔

"قیدار کی ساری حشمت ایک سال ٹھیک مزدوروں کے ایک سال میں بھُس کی طرح جل کر راکھ ہو جاتی ہے"۔

علو و کبریائی کا جو نشہ اب تک ان کے قدم جمنے نہیں دیتا تھا، چھٹ کر ہوا ہو جاتا ہے۔ ابوجہل جو اُن میں سب سے بڑا تھا جس کا خطاب "فرعون ھذہ الامۃ" تھا وہ سب سے چھوٹے ایک کمسن انصاری لڑکے کے ہاتھوں قتل ہوتا ہے۔

اور یوں قیدار (قریش) کی حشمت خاک میں مل گئی۔

اور پھر دنیا نے دیکھا کہ جن سے سب کچھ چھینا گیا تھا، پانی چھینا گیا تھا، کھانا چھینا گیا، گھر چھینا گیا، در چھینا گیا اور آخر میں جینے کا حق بھی چاہا گیا تھا کہ چھینا جائے اور بہتوں سے چھینا گیا، دہکتی ہوئی آگ، چمکتی ہوئی تلواروں اور کھنچی ہوئی کمانوں کے سائے سے نکل کر "کل" جو آئے تھے آج پھر چمکتی ہوئی تلواروں، کھنچے ہوئے کمانوں تنے ہوئے نیزوں کے ساتھ فتح کا پھریرا اڑاتے ہوئے۔ اُسی مکہ میں داخل ہوتے ہیں لیکن لیتے ہوئے نہیں دیتے ہوئے۔ اکڑتے ہوئے نہیں جھکتے ہوئے۔ انتقام لیتے ہوئے نہیں۔ عفو و درگزر کرتے ہوئے۔ بدلہ چکاتے ہوئے نہیں احسان کرتے ہوئے۔

"اُدخلوا الباب سُجّداً و قولوا حِطّۃٌ"

شہر کے دروازے میں سر جھکائے ہوئے اور حطہ (لوگوں کے گناہ اور قصوروں کو جھاڑتے ہوئے معاف کرتے ہوئے) داخل ہوتے ہیں۔ رحم و کرم۔ صلح و اعراض انحضرتؐ

(بقیہ صفحہ ۲ پر)

روس افغانستان میں دفاعی جنگ لڑ رہا ہے

تحریک اسلامی کے مرکزی رہنما چودھری رحمت الٰہی نے کہا ہے کہ افغان مجاہدین عالم اسلام کے دفاع کی جنگ لڑ رہے ہیں اس لئے پوری ملت اسلامیہ کو متحد ہو کر جہاد افغانستان کی حمایت کرنی چاہیئے انھوں نے کہا کہ افغان مجاہدین نے اشتراکیت کے قدم اکھاڑ دئے ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب سرمایہ داری واشنگٹن اور کمیونزم ماسکو میں لرزہ براندام ہوں گے انھوں نے کہا ملک و قوم کی آزادی کی حفاظت صرف فوج ہی نہیں بلکہ پوری قوم کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

افغان رہنما کے دعویٰ کی تصدیق مغربی اخبار نویس ٹونی ڈیوس کے بیان سے ہو جاتی ہے جس نے مشرقی افغانستان کا تین ماہ تک دورہ کیا اس نے کہا کہ مجاہدین نے روسی افواج کو دفاعی لڑائی پر مجبور کر دیا ہے شہروں اور شاہراہوں پر سوویت گرفت کمزور پڑ رہی ہے اور جہاں مجاہدین کے پاس بہتر اسلحہ ہیں وہ روسیوں کو دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ٹونی کہتا ہے کہ شاہراہوں پر سوویت فوج صرف دن کو نقل و حرکت کرتی ہے اور وہ بھی دو کے قریب گاڑیوں کے قافلہ کی صورت میں اور ان پر مجاہدین کے حملے برابر ہوتے رہتے ہیں اس کے بیان کے مطابق مجاہدین صرف ایک روسی ہتھیار سے پریشان ہیں اور وہ ہے گن شپ، ہیلی کاپٹر یا توپ بردار ہیلی کاپٹر۔ اس نے بتایا کہ اس علاقہ میں مجاہدین دریائے اکسس کے سوویت سرحد کے اندر بھی حملے کرتے رہے ہیں۔

مذکورہ بالا صورت حال کی وجہ سے افغانستان کے صدر کارمل کے بھائی محمود باریالی نے جو برسراقتدار پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے چیرمین ہیں) نے مغربی جرمنی کے ایک جریدے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ مجاہدین کی مزاحمت روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی ہے جس سے نپٹنے کے لئے کارمل انتظامیہ روس سے درخواست کرے گی۔

تازہ ترین خبروں کے مطابق افغانستان کو روس نے مزید کمک بھیجدی ہے اور ان کی مدد کے لئے جنگی طیارے بھی بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ روس نے افغانستان کی فضائیہ کو مگ ۱۷ قسم کے طیاروں کا ایک اسکواڈرن دینے کا بھی فیصلہ کیا ہے اس کے علاوہ مگ ۲۳ قسم کے طیاروں کا ایک اسکواڈرن بگرام میں متعین روسی فضائیہ کو بھی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ایک روسی اسکواڈرن ۱۵ طیاروں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس سے قبل کے جو طیارے افغانستان میں استعمال ہوتے تھے۔ مذکورہ طیارے بہت اعلیٰ ہیں۔

رہائشی ہوٹلوں میں قرآن مجید رکھنے کا اہتمام کریں: رابطہ عالم اسلامی کی اپیل

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اپنے بلیٹن نمبر ۶۰۰ کے ذریعہ یہ اپیل کی ہے کہ اسلامی دنیا کے تمام ہوٹلوں میں قرآن شریف رکھنے کا اہتمام کریں اور طرح یورپ، امریکہ، ایشیا اور افریقہ کے ہوٹلوں کے ہر کمرہ میں انجیل کے مطبوعہ نسخے جو شاندار جلد اور بہت عمدہ ہوتے ہیں رکھے ہوتے ہیں مقابلہ کریں اور دوسری جانب ہم کتاب اللہ کی نشر و اشاعت کریں شاید کسی پڑھنے والے کے دل کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیدے اور شرح صدر کر دے۔

صحارا کے متنازعہ علاقہ میں رائے شماری ہوگی:

مراکش کے شاہ حسن ثانی نے اعلان کیا ہے کہ صحارا کے متنازع علاقہ کے کے مسئلہ پر آئندہ سال کے وسط میں رائے شماری ہوگی اس بات کا اعلان مراکش کے شاہ حسن ثانی نے ایک پریس کانفرنس میں کیا صحارا کا یہ متنازعہ علاقہ پہلے اسپین کی نوآبادی میں شامل تھا اسے مراکش کو میسرۃ الخضراء کے بعد . . . حوالہ کر دیا گیا جس کو الجزائر کی حمایت یافتہ گوریلا تنظیم پولیساریو نے تسلیم نہیں کیا اور اپنی گوریلا سرگرمیاں جاری کر دی تھیں جس کے بعد پولیساریو نیز اس کے پڑوسی ممالک الجزائر اور موریتانیا اور مراکش کے مابین تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے اس آٹھ سالہ قضیہ کو حل کرنے کے لئے افریقی اتحاد کی تنظیم نے اسی سال جون میں اس کے مستقبل کے لئے رائے شماری کی تجویز پیش کی تھی جس کو مراکش کے شاہ حسن نے قبول کر لیا اور رائے شماری کا اعلان کیا ہے۔

مغربی جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد ۱۷ لاکھ ہوگئی ہے:

مغربی جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد ۱۷ لاکھ سے زیادہ ہے اس میں سب سے زیادہ ۱۴ لاکھ ترک نژاد ایک لاکھ بیس ہزار یوگوسلاوی ۸۰ ہزار عرب اور ۲۰ ہزار ایرانی اور دوسرے ایشیائی ممالک کے ہیں ان کے علاوہ تقریباً ڈیڑھ ہزار جرمن ہیں جو اسلام قبول کر چکے ہیں مغربی یورپ میں صرف فرانس ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد مغربی جرمنی کے مسلمانوں سے زیادہ ہے مغربی جرمنی میں عیسائیوں کے دونوں فرقوں کے بعد سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے اور یہاں ہر شہر میں تقریباً مسلم ادارے ہیں۔

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

14, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY, 3.
Tele : Add. CUPKETTLE
Phone : 662226.— 378054

۴۴۔ حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳